شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ علیہ

اور

ان کی تحریک احیائے توحید وسنت

ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر
فاضل مدینہ یونیورسٹی

نجد کا دور انحطاط

عہد نبوی کے ایک عرصہ بعد جزیرہ عرب کے دوسرے صوبوں کی طرح نجد پر بھی ایک دور گزرا ہے جس میں اس کی تاریخ کا ہر گوشہ دینی اور دنیوی ہر اعتبار سے تیرہ و تاریک دکھائی دیتا ہے۔ ان دونوں نجد میں مطلق العنانی، جمود، بے حسی اور قتل وخوں ریزی کا بازار گرم تھا۔ ایک ہمہ گیر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اور دین و مذہب مخصوص اہل علم کے دائرہ میں محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ یہاں کا سواد اعظم جہالت اور مشرکانہ رسوم و بدعات کا شکار ہو کر رہ گیا تھا۔ خرافات اور توہم پرستیوں کو دین خیال کیا جانے لگا تھا۔ اور فرائض شرعی اور سنن نبوی سے غافل ہو کر عہد جاہلیت کے تمام اطوار و عادات اختیار کر لئے گئے تھے۔ حلال و حرام کا فرق بھی باقی نہ رہا تھا مراحل زندگی میں جہاں کہیں رہنمائی کی ضرورت پیش آئی تو احکام الٰہی اور ارشادات نبوی کی بجائے کاہنوں اور نجومیوں کی آراء دلیل راہ قرار پائیں اور آغاز کار کیلئے تفاؤل اور شگون طلبی کو واجب العمل ٹھہرایا جاتا۔ غرضیکہ جہالت اور تقلید زمانہ کے اثرات سے سرور کائنات ﷺ کے لائے ہوئے دین کا فقط نام ہی رہ گیا تھا اور درحقیقت بدعات وخرافات کو دین و مذہب کا درجہ حاصل ہو چکا تھا ہر طریقہ جو جلب منفعت اور حصول دولت کا ذریعہ ہو سکے۔ وہی صاحب ثروت لوگوں کا مذہب اور مسلک تھا اور ہر وہ چیز جو وقار اور مرتبہ کو دنیا کی نگاہوں میں بڑھا سکے۔ خدا کے بندوں کا دین بن گئی تھی۔ شریعت امراء و روسا کے مرغوبات نفسانی کی پابند ہو گئی تھی اور عوام کا تو پوچھنا ہی کیا، امراء و سلاطین کے نقوش پا ہی ان کا دین تھا۔ مختصرا اوضاع و اطوار، شرافت، شجاعت، سخاوت حق کی پاسداری، ایفائے وعدہ اور پاس عہد ایسے تمام اخلاق کریمانہ سرزمین نجد سے مفقود ہو چکے تھے۔ جن پر اقوام عرب بجا طور پر فخر کیا کرتی تھیں اور جن میں وہ اپنی نظیر آپ تھیں۔

تمام اہل نجد کی یہی حالت تھی۔ صحرائے نجد کے بادیہ نشین ہوں یا شہروں کے متمدن و مہذب

> یمن میں امام محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی ۱۰۹۹ھ۔۱۱۸۲ھ
> ہندوستان میں حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۱۱۱۴ھ۔۱۱۷۶ھ
> اور نجد میں شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہاب نجدی ۱۱۱۵ھ۔۱۲۰۶ھ
>
> تینوں بارہویں صدی ہجری میں اسوہ محمدی کے سچے نمونے تھے اور اس وقت کی تیرہ و تاریک فضا میں شمع ہدایت کی حیثیت رکھتے تھے۔ بلاشبہ آپ انہیں مجدد کہہ سکتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے ماحول میں تجدید و احیاء دین کا کارنامہ سرانجام دیا۔ سنت محمدیہ کے صاف اور شفاف چشمہ کو شرک و بدعت کی آلائش سے پاک کیا اور یہ انہیں نفوس قدسیہ کے دم قدم اور عمل پیہم کا نتیجہ ہے کہ آج ہم کتاب وسنت کا نام لینے اور اس پر عمل کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے۔
>
> ان میں سے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کو عالمی سطح پر سب سے زیادہ شہرت اور ان کی تحریک کو سب سے زیادہ کامیابی نصیب ہوئی۔ اسی لئے سب سے بڑھ کر اتہامات و الزامات کی بوچھاڑ بھی انہی کے خلاف ہوئی۔ بالخصوص ترکی اور ہندوستان کے علماء سوء اور قبوری ٹولے نے اپنے گورے آقاؤں کے اشاروں پر ان کے خلاف پروپیگنڈے میں دین و شریعت اور اخلاق و شرافت کی دھجیاں اڑا دیں۔
>
> اور جب سے پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش کے مسلمان بکثرت شیخ کی تحریک سے فیض یاب ہونا شروع ہوئے ہیں اس طوفان بدتمیزی میں دو چند اضافہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ اسی ضرورت کے پیش نظر ذیل کا مضمون ہدیہ قارئین ہے۔ کہ شیخ کی شخصیت اور ان کی دعوت کا صحیح تعارف ہو سکے۔ خصوصا حالیہ دنوں میں ایک مخصوص حوالے سے اس تحریک اور اس کے حواریوں کے خلاف جو ہرزہ سرائی ہو رہی ہے۔ اس کے جواب میں اس مضمون کی اشاعت کی ضرورت اور بھی بڑھ گئی ہے تاکہ قارئین فدائین اسلام کے اس قافلہ سالار اور اسکی حامی و مؤید حکومت کے خلاف معاندین کے رویہ سے آگاہ ہو سکیں۔ ویسے بھی نجد اور اہل نجد کا ذکر خیر ہمارے لئے باعث فرحت ومسرت اور روح افزاء ہے۔
>
> نسیم الصبح زرمنی ربا نجد و قبلها
> کہ بوئے دوست می آید ازاں پاکیزہ منزلها
>
> (عبدالرشید اظہر)

شیخ کو علم وفضل، زہد وتقویٰ ذہانت وفطانت اور شجاعت وسخاوت وغیرہ فضائل اخلاق اپنے آباء واجداد سے وراثت میں ملے تھے۔ اس خاندان کا ہر فرد علوم شریعت، اصول دین اور معقولات ومنقولات میں اپنے اپنے وقت کا امام تھا

باشندے، سب کے سب ہی اغراض پروری اور نفس پرستی کی لعنت میں گرفتار تھے۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دے لینا ان کا عام شیوہ بن گیا تھا ایک طرف شہروں کے تہذیب یافتہ شہری ڈاکوؤں کی صورت میں حقوق انسانیت کو پامال کررہے تھے اور دوسری طرف دیہاتوں اور صحراؤں میں قزاقوں کی جماعتیں غاروں اور گھاٹیوں سے نکل نکل کر دن دہاڑے قافلے لوٹ لیتیں اور ہزاروں بے گناہ انسانوں کو لذت حیات سے محروم کردیتی تھیں۔

یہ سب کچھ صرف اس وجہ سے تھا کہ وہاں کوئی ایسا منصف مزاج اور امن پسند صاحب اقتدار نہ تھا جو مفسدین کے ہاتھوں کو پکڑتا۔ بلکہ درحقیقت اسی فساد، بدامنی اور ابتری کا اصل سبب یہی امراء و حکام تھے اور امن کے ان غارتگروں کے سرغنے یہی سلاطین تھے اس لئے ان سے امن و امان کی تمنا لاحاصل تھی۔

ـ کہ نیاید زگرگ چوپانی

علماء کا جہاد اور دردناک انجام

رہے علمائے وقت سوانہوں نے قیام امن اور اصلاح ملک میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور اس راہ میں پیش آنے والی تمام مشکلات اور مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ ان لوگوں نے پوری سرگرمی، جوش وخروش، صدق دل، صبر وثبات اور خلوص کے ساتھ دعوت حق اور تبلیغ ہدایت کی خدمت سرانجام دی۔ مگر ان غریبوں کو ایسے مادی وسائل اور ظاہری ذرائع میسر نہ تھے جن کے ذریعہ ان دجاجلہ و شیاطین کے پنجہ ہلاکت سے اہل نجد کو نجات دلا سکتے بلکہ حق گوئی و بے باکی کے اس جرم کی پاداش میں وہ خود ہی ان سفاک لوگوں کے بے درد اور خونیں ہاتھوں سے ہلاک ہوگئے۔ یہ بدبخت برداشت نہ کر سکتے تھے۔ کہ ان کی نفس پرستی کی راہ میں کوئی مانع باقی رہے اور چاہتے تھے کہ عذاب الٰہی کی دھمکیوں اور وعدوں کی صدائے حق ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے۔

چنانچہ ہوا پرستی کا یہ کابوس ان کے دماغوں پر اس شدت کے ساتھ مسلط تھا کہ فضلائے عصر اور سرآمد روزگار شخصیتوں کی ایک بہت بڑی جماعت کو انہوں نے اپنی دنیا طلبی اور خواہشات نفسانی کی بھینٹ چڑھا دیا۔

۱۱۹۴ھ میں قصیم کے بدبختوں نے علماء و شیوخ، قضاۃ اور واعظین و دعاۃ کو خاک وخون میں تڑپا دیا اور صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ سب نے ملک کر وسیع پیمانے ایک کانفرنس طلب کی تاکہ تمام علماء نجد کو جو ان کی غلط کاریوں پر ان کو برابر ٹوکا کرتے تھے، فنا کرنے کی موثر تدابیر سوچی جاسکیں۔ اس سلسلے میں مختلف لوگوں نے متعدد رائیں پیش کیں، کسی نے انہیں جلاوطن کرنے کا مشورہ دیا تو کسی نے حبس دوام کا اور بعض نے عبرت انگیز طریقہ پر ان غریبوں پر قتل کرنے کی تجویز پیش کی۔ لیکن تمام تجاویز غور وفکر کے بعد رد کر دی گئیں کیونکہ یہ خطرناک نتائج سے خالی نہ تھیں۔ ان کو جلاوطن کرنے میں خطرہ یہ تھا کہ مبادا یہ لوگ اپنی طاقت بڑھا اور اپنے ہم خیال لوگوں کو ساتھ ملا کر ہمارے خلاف محاذ قائم کرلیں۔ اور پھر ان کی تاب نہ لائی جا سکے۔ قید کرنے میں یہ خطرہ تھا کہ موقع پا کر بھاگ نکلیں گے جب کہ قتل عام میں قصیم کے امن پسند اور حق پرست طبقہ کے برانگیختہ ہونے کا اندیشہ تھا۔

جب یہ تمام تدابیر مسترد کر دی گئیں تو نئی تجویزیں پیش ہونے لگیں اور پھر ہر طرح کی رائیں زیر بحث آئیں لیکن ایک بھی قابل قبول قرار نہ پا سکی۔ ایک نوجوان بیٹھا خاموشی سے سب کی رائیں سن رہا تھا جب اس نے پوری جماعت کو کسی متفقہ فیصلے پر پہنچنے سے عاجز دیکھا تو آخر میں بولا میری رائے میں تمام علمائے نجد کو صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دینا اور ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ بس اس پر سب نے خوشی سے اتفاق کرلیا۔

کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری، اتفاق رائے کے بعد قہوہ کا دور چلا، پھر اس نوجوان نے اس تجویز کو بروئے کار لانے کا یہ راستہ بتایا کہ جو لوگ وہاں موجود ہیں ان میں سے ہر فرد اپنے اپنے ماتحت گروہ کو اس متفقہ سازش سے آگاہ کرے اور جو دن اور وقت متعین ہو، اس دن ہر گروہ اپنے حلقہ کے علماء پر قاتلانہ حملہ کرے اس طرح ہر جگہ کے علماء کو بیک وقت ہلاک کردیا جائے۔

علمائے نجد کا قتل عام

بالآخر اس بدترین اور منظم سازش پر عمل کیا گیا سب سے پہلے خبراء کے یگانہ روزگار علامہ منصور ابو الخیل جو نماز جمعہ پڑھانے کیلئے گھر سے نکلے تھے اور یہ دشمنان دین ان کی گھات میں تھے ان ہاتھوں شہید ہوگئے۔ اور پھر چند لمحوں میں ان سفاک ہاتھوں نے وہاں کے تمام علمائے کرام کو موت کی نیند سلا دیا۔ اسی طرح جناح کے اہل علم بھی اپنے پڑوسی اعداء دین کے ہاتھوں دین کی راہ میں کام آئے۔ ان علماء میں سب سے زیادہ دردانگیز اور اندوہناک حادثہ ایک نابینا عالم کے قتل کا تھا انسانیت کے دشمنوں نے کیا یہ کہ مرحوم کے پاؤں میں سولی کی رسی

باندھی اور انہیں لٹکا دیا حتی کہ اسی حالت میں روح پرواز کر گئی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون
وما نقموا منھم الا ان یومنوا باللہ العزیز الحمید (القرآن)

شیخ محمد بن عبدالوھاب کا دور

نجد میں مطلق العنانی، بدنظمی اور شر و فساد کا یہ دور دورہ کم و بیش تقریباً اڑھائی سو برس تک رہا۔ اس عرصہ شر و فساد میں قصر شریعت کی بنیادیں برابر متزلزل ہوتی رہیں اور اہل نجد کی سیاسی اور معاشی ابتری روز بروز بڑھتی رہی۔ یہ وہ حالات تھے جب شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی مرحوم نے اس انتشار اور جہل و گمراہی کے خلاف جہاد شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات نے اس کار خیر میں شیخ کو بڑی کامیابی نصیب فرمائی۔ شیخ محمد مرحوم کے اسی کارنامہ کو ''تحریک وہابیت'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ چونکہ اس مقدس تحریک کے بانی اور رہنما شیخ مرحوم ہی تھے۔ نیز تحریک کی تاریخ دراصل شیخ موصوف ہی کے مجاہدانہ کارناموں کی تاریخ ہے اس لئے ہم قبل اس کے کہ تحریک کا تعارف کرائیں شیخ کی زندگی پر کچھ لکھتے ہیں:

شیخ محمد مرحوم کا حسب و نسب

سلسلہ نسب یہ ہے: محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان بن علی احمد بن راشد بن برید بن مشرف بن بعضاد۔ شیخ کو علم و فضل، زہد و تقویٰ ذہانت و فطانت اور شجاعت و سخاوت وغیرہ فضائل اخلاق اپنے آباء و اجداد سے وراثت میں ملے تھے۔ اس خاندان کا ہر فرد علوم شریعت، اصول دین اور معقولات و منقولات میں اپنے اپنے وقت کا امام تھا۔ شیخ کے والد اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ باوقار اور ممتاز عالم دین تھے۔ ان کے دادا سلیمان بھی نجد کے مشہور فاضل اور صاحب درس و تدریس بزرگ تھے۔

ولادت:

شیخ کی ولادت عیینہ میں ۱۱۱۵ھ میں ہوئی۔ عبدالوہاب کو بیٹے کی ولادت سے نہایت مسرت ہوئی اور نیک فال سمجھ کر محمد نام رکھا۔ تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام کیا۔ حتیٰ کہ عہد طفولیت سے ہی مبادی اسلام کی تلقین شروع کر دی۔ صحاح ستہ کی بیشتر احادیث شیخ کو بچپن ہی میں یاد ہو گئیں۔ اور ابتداء سے ہی انہیں علوم دین کے مطالعہ کا شوق پیدا ہو گیا۔

ابھی دس برس کی عمر بھی نہ ہونے پائی تھی کہ قرآن کریم حفظ کر لیا اور صلاحیت و فرزانگی کے آثار اسی وقت سے نمایاں ہونے لگ گئے۔ جب قوت فکر میں قدرے پختگی آئی تو اسلام کا تحقیقی مطالعہ شروع کیا۔ ساتھ ہی اپنے اہل وطن کی دینی حالت پر تنقیدی نگاہ ڈالی تو ان کے بہت سے اعمال و عقائد کتاب و سنت کے خلاف اور طریق حق سے ہٹے ہوئے نظر آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ اہل نجد نے رسوم و بدعات کو اسلام کا نام دے رکھا ہے۔ قبروں اور مزاروں کی پرستش ہو رہی ہے۔ وہ وہاں مرادیں مانگتے، نذریں مانتے اور ان پر ذبیحے چڑھاتے اور ہزاروں درختوں کے تقدس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اہل نجد کی اس خوفناک جہالت اور بے دینی پر شیخ نے شدید اعتراضات کئے۔ دین خالص کی حمایت کے جذبہ سے سرشار ہو کر توحید و اتباع سنت کی آواز بلند کی اور جاہلانہ رسوم و بدعات کی پرزور تردید و مخالفت کی۔

لیکن ابتداءً شیخ نے اپنی اس دعوت کو عام نہ کیا بلکہ اولاً صرف علماء کرام کو ان کے جمود سے بیدار کیا۔ ملک کی حالت کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی اور انہی تک اپنا دائرہ کار محدود رکھا۔ شیخ کا یہ طریقہ نہایت مناسب اور مدبرانہ تھا تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ہر مصلح اور مجدد نے اپنی دعوت اصلاح اور تحریک انقلاب کا آغاز سنجیدہ طبقے اور اہل علم ہی سے کیا ہے۔ شیخ کے معقول اور مسکت دلائل اور خلوص نے آہستہ آہستہ ایک گروہ علماء کو ان کا حلقہ بگوش بنا لیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی عیینہ کا ایک متعصب اور اکھڑ گروہ ان کا سخت مخالف بھی ہو گیا۔ نتیجۃً خاندانی مناقشے چھڑ گئے۔ وہابی خاندان اور وہاں کے ایک دوسرے فریق کے مابین سخت آتشیں عداوت بھڑک اٹھی۔ یہاں تک کہ خانہ جنگی اور بد امنی کے خوف سے رئیس عیینہ حریملا منتقل ہو جانے پر مجبور ہو گیا اب گویا شیخ کی تحریک کی مخالفت خاندانی عداوت میں بدل گئی۔ باہمی کشیدگی اور مخالفت کا یہ زمانہ شیخ کے عالم شباب کا زمانہ تھا۔

چنانچہ یہی جوش شباب تھا جس میں شیخ بڑی سے بڑی مخالفانہ قوت اور مصیبت کے مقابلہ میں چٹان کی طرح ثابت قدم رہے۔ ابتداء میں انہوں نے ترک وطن کی کوئی ضرورت نہ سمجھی اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد کچھ لوگ شیخ کے موافق ہو گئے لیکن علماء روساء کی جماعتیں معاصرانہ چشمک اور ذاتی عناد کی بنا پر مخالفت پر ہی جمی رہیں اور انہوں نے ان کی مخالفت میں پوری قوت صرف کر دی اب شیخ نے دیکھا کہ آتش عناد بڑھتی ہی جا رہی ہے اور ایک خالص دینی تحریک خاندانی عداوتوں کے ہنگاموں کی نذر ہو رہی ہے تو انہوں نے ہجرت کا ارادہ کر لیا۔

چنانچہ مخالفین کی عداوت اور ایذا رسانی سے تنگ آ کر شیخ نے اپنے وطن عزیز عیینہ کو خیر باد کہا اور حج بیت اللہ کیلئے روانہ ہو گئے۔ فریضہ حج سے فراغت کے بعد حرم رسول اللہ ﷺ کی زیارت کیلئے مدینہ منورہ پہنچے۔ وہاں اس وقت کے اکابر علماء کرام سے ملاقات ہوئی اور اس زمانہ کے (مقام مجمعہ واقع نجد کے) مشہور صاحب علم عبداللہ بن ابراہیم بن یوسف کے پاس (جو دیار رسول اللہ ﷺ میں قیام

پذیر تھے) ٹھہرے اور ان سے بعض کتابیں پڑھیں۔ موصوف نے ائمہ سلف کی تصنیفات کا ایک بے بہا اور نادر ذخیرہ دکھایا اور فرمایا کہ یہ وہ آلات ہیں جو میں نے اہل نجد کو سر کرنے کیلئے فراہم کئے ہیں۔ شیخ کو اس مبارک ارادہ سے اور کتابوں کے اس سرمایہ کو دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی اثنائے قیام ہی میں مشہور علامہ عصر محمد حیات سندھی محدث مدنی سے شیخ کا تعارف ہوا جو مدینہ منورہ کے رئیس العلماء تھے۔

نجد کی طرف واپسی، بصرہ کا سفر اور وہاں سے اخراج

شیخ حج بیت اللہ اور دیار حبیب کی زیارت کے بعد وطن تشریف لائے تو تھوڑے ہی دن قیام کے بعد علوم دین کے مطالعہ کے شوق نے دوبارہ رخت سفر باندھنے پر مجبور کر دیا چنانچہ اس غرض سے بصرہ تشریف لے گئے وہاں بھی شیخ محمدؒ نے اپنی تحریک دعوت و اصلاح اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا سلسلہ شروع رکھا۔ جس سے اہل بصرہ بھی دشمنی پر تل گئے۔ اور سخت سے سخت ایذائیں دیں۔ حتیٰ کہ بصرہ کے بدبختوں نے شیخ کا تمام زادِ سفر چھین لیا اور تیز دھوپ اور سخت گرمی میں شیخ کو شہر سے باہر نکال دیا۔ شیخ تن تنہا برہنہ پا بلد زبیر کی طرف چل پڑے لیکن ابھی تھوڑی ہی مسافت طے کر پائے تھے کہ پیاس کی شدت سے حلق میں کانٹے پڑ گئے۔ اور شیخ لاچار ہو کر تپتی ہوئی زمین پر گر پڑے۔ اتنے میں بلد زبیر کے ایک شخص ابو جہد نامی کا، جو مسافروں کو گدھے پر ادھر ادھر پہنچایا کرتا تھا۔ اس طرف سے گزر ہوا۔ شیخ کو اس کسمپرسی اور بے ہوشی کے عالم میں دیکھا آپ کے چہرے پر اس خستگی کی حالت میں بھی متانت و وقار اور روحانی جلال و جمال کے آثار ظاہر تھے۔ اس نے انہیں ٹھنڈا پانی پلایا اور گدھے پر بٹھا کر بلد زبیر پہنچا دیا۔

شیخ نے بلد زبیر میں چند دن قیام کے بعد چاہا کے شام چل کر اپنے اسلامی کام کا آغاز کریں لیکن بے سروسامانی آڑے آئی۔ چنانچہ نجد کی طرف واپسی کا قصد کیا۔ پہلے احساء آئے، اور شیخ عبداللہ بن عبداللطیف صاحب فتح المجید شرح کتاب التوحید کے ہاں چند روز قیام کر کے حریملا اپنے والد کے پاس چلے گئے۔ یہاں زیادہ تر وقت یا تو اپنے والد سے علمی استفادہ میں گزرتا یا علمائے حریملا کو جاہلانہ بدعات و رسوم کے خلاف ابھارنے میں جن کے خلاف وہ علماء اپنے منہ سے آواز بھی نکالنے کی سکت نہ رکھتے تھے۔ یہاں شیخ اپنے والد کے اثر واقتدار کی وجہ سے دشمنوں کی طرف بالکل مامون تھے۔

۱۱۳۵ھ میں شیخ کے والد عبدالوہاب کی وفات ہوگئی جس کا شیخ کے دل پر گہرا اثر ہوا۔ جب ناسور غم مندمل ہوا تو پھر اسی جوش اور سرگرمی کے ساتھ اپنی دعوت توحید اور اسلامی تحریک کو آگے بڑھانا شروع کیا اور مشرکانہ رسوم کی مخالفت میں مصروف ہو گئے۔ قبر پرستی کی تمام صورتوں کو بلا خوف وخطر خلاف شریعت اور شرک صریح قرار دیا۔ اور اپنے اس مشن کی تبلیغ واشاعت میں روساء وامراء کی زبردست قوتوں سے بھی ٹکرائے لیکن پائے ثبات میں ذرہ برابر بھی لغزش نہ آئی۔ نتیجۃً جن دلوں میں قبول حق کی صلاحیت تھی، انہوں نے شیخ کی صدائے حق پر لبیک کہی، لیکن بالعموم غرض پرست امراء اور جاہل عوام نے ان کی شدید مخالفت کی اور ایذا رسانی پر اتر آئے۔

حریملا میں کوئی متفقہ رئیس نہ تھا گو اہل حریملا ایک ہی قبیلہ میں سے تھے لیکن ان کی دو شاخیں ہوگئی تھیں۔ اور دونوں ہی ریاست کی مدعی تھیں۔ بدیں وجہ نزاع کی وسیع خلیج ان کے درمیان حائل ہوگئی تھی ایک کے پاس اجد غلاموں کی ایک جماعت تھی جن کی شرانگیزیوں نے لوگوں کا قافیہ تنگ کر رکھا تھا شیخ نے ان کے ظلم وستم کا سد باب کرنا چاہا تو وہ آپ کی جان کے درپے ہو گئے۔ چنانچہ ایک رات قتل کرنے کے ارادہ سے شیخ کے گھر کی دیواروں پر چڑھ کر انہوں نے گھر کے اندر اترنا چاہا اتنے میں محلہ کے لوگوں نے دیکھ لیا اور للکار کر انکی طرف دوڑ پڑے غلام ڈر کر بھاگ نکلے۔ شیخ حریملا کی اس انارکی اور بدامنی سے پریشان ہو کر اپنی زندگی کو ہر وقت خطرہ میں دیکھ کر دوبارہ عیینہ چلے گئے۔

عیینہ کا رئیس اس وقت عثمان بن محمد بن معمر تھا اس نے شیخ کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ بڑی خوش اخلاقی سے پیش آیا اور ان کی دعوت بھی قبول کر لی۔ اس کو شیخ سے خاصی ہمدردی اور عقیدت ہوگئی حتیٰ کہ اس نے اپنی بیٹی جوہرہ کا شیخ سے نکاح کر دیا اور ان کے مشن کی حمایت کیلئے پوری طرح کمر ہمت باندھ

عیینہ میں بہت سے درخت تھے جن کے تقدس کا اہل عیینہ کو یقین اور جن کے وسیلہ حصول مقصود ہونے پر ان کا اعتقاد تھا شیخ نے اپنے نوے وفادار متبعین کے ساتھ جا کر ان درختوں کو جڑوں سے کاٹ گرایا اور ایک بہت بڑے درخت جسے سب سے زیادہ متبرک سمجھا جاتا تھا اور جس کی ایک ایک پتی کا ہر فرد معتقد تھا شیخ نے اسے بھی :قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا پڑھتے ہوئے کاٹ دیا اوہام پرست عوام منتظر تھے کہ اتنے بڑے جرم کی پاداش میں اب کوئی بلائے ناگہانی آسمان سے نازل ہوا چاہتی ہے لیکن جب کچھ بھی نہ ہوا تو اسے جادو کہنے لگے

لی، شیخ حالات کو ساز گار پا کر عثمان سے یہ کہتے ہوئے سرگرم عمل ہو گئے کہ اگر تم اعلاء کلمۃ اللہ میں ثابت رہے، دین الٰہی کو فروغ دیا اور توحید خالص کی تبلیغ کی تو مجھے امید ہے اللہ رب العزت تمہیں عزت اور خیر و برکت سے بہرہ مند فرمائے گا۔

اب شیخ کی آزمائشوں کا نتیجہ ظاہر ہونے لگا رئیس عیینہ کی یہ عقبدت اور حمایت دراصل غیبی اعلان نصرت تھا۔ اہل عیینہ کے بیشتر حصہ نے شیخ کی دعوت حق قبول کر لی اور ان کے حلقہ اثر میں داخل ہو گیا عیینہ میں بہت سے درخت تھے جن کے تقدس کا اہل عیینہ کو یقین اور جن کے وسیلہ حصول مقصود ہونے پر ان کا عتقاد تھا شیخ نے اپنے نوے وفادار متبعین کے ساتھ جا کر ان درختوں کو جڑوں سے کاٹ گرایا اور ایک بہت بڑے درخت جسے سب سے زیادہ متبرک سمجھا جاتا تھا اور جس کی ایک ایک پتی کا ہر فرد معتقد تھا شیخ نے اسے بھی: قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا پڑھتے ہوئے کاٹ دیا اوہام پرست عوام منتظر تھے کہ اتنے بڑے جرم کی پاداش میں اب کوئی بلائے ناگہانی آسمان سے نازل ہوا چاہتی ہے لیکن جب کچھ بھی نہ ہوا تو اسے جادو کہنے لگے اور ان کی اندھی طبیعتوں پر حق کا کوئی اثر نہ ہوا۔

شہر جبیلہ میں حضرت زید بن الخطاب کی قبر تھی جس کی توحید کے دعویدار مسلمان زیارت اور پرستش کرتے اور اس پر چڑھاوے چڑھاتے تھے شیخ نے اپنی جماعت کو لیکر اسے اپنے ہاتھوں سے منہدم کر دیا اور اس قسم کے جتنے بھی قبے تھے سب کا استصال کر دیا۔ اہستہ آہستہ شیخ کے کارناموں کا ملک میں چرچا ہونے لگا۔ اور لوگ حقیقی توحید سے مانوس ہونے لگے۔ لیکن قدرتی طور پر ان محیر العقول واقعات کا عوام کے ذہنوں پر یہ اثر پڑا کہ بہت سوں نے تو ان پیش آمدہ واقعات کو بے بنیاد افواہیں اور ان ہونی باتیں تصور کیا اور جن کے دلوں میں شرک و بدعت کی گہری محبت تھی؟ انہوں نے اعلانیہ واقعات کی، جو عالم وجود میں آچکے تھے تکذیب کی اور بغض وحسد کے جوش سے استہزاء اور سب وشتم کرنے والا گروہ ان سب سے الگ تھا ایک طرف قدامت پرست عوام کالانعام نے، دوسری طرف سیاسی اغراض کے حامل امراء وسلاطین نے اس انقلاب انگیز تحریک کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو دیکھ کر کان کھڑے کر لیے۔ انہیں اپنے لئے زوال حکومت کا بری طرح خطرہ محسوس ہونے لگا۔ اس لئے ہر ایک نے اپنے اپنے طور پر اپنی تمام مادی قوتوں اور مکر وفریب کی تمام ممکن تدبیروں کے ذریعہ اس انقلاب کے سیلاب کو روکنا چاہا لیکن ان میں سے کوئی طاقت اور کوئی تدبیر بھی اس کے بہاؤ کو نہ روک سکی۔

پرستش کئے جانے والے قبوں کے انہدام اور مقدس درختوں کے استیصال کی خبر جب سلیمان بن محمد رئیس احساء کے کانوں میں پڑی تو وہ فرط غضب سے تمتما اٹھا اور سخت برہم ہو کر رئیس عیینہ کو ایک تہدید آمیز خط لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

''محمد بن عبدالوہاب کو، جو تمہاری پشت پناہی میں ہے، قتل کر دو۔ یا اپنے شہر سے نکال دو۔ چونکہ اس نے تمام عرب کے عقائد بدل ڈالے۔ مقدس درخت کاٹ ڈالے۔ اور صلحاء واتقیا کے قبے منہدم کر دیئے ہیں کیا ان گستاخیوں کے بعد بھی وہ گردن زدنی نہیں ہوا؟ اگر تم اس حکم پر عمل نہ کرو گے تو یہاں کے جزیہ کی کل رقم جو تجھے ملتی ہے روک دوں گا''۔

یہ کوئی معمولی رقم نہ تھی۔ اس پر عثمان کی ریاست کا دارومدار تھا، خط پا کر وہ سخت متردد ہوا کہ کیا کرے اس نے شیخ کو بلایا اور رئیس احساء کا خط دکھایا اور اپنی مجبوری ظاہر کی، شیخ نے اسے ہر طرح کا نشیب وفراز سمجھایا اور اس امتحان و آزمائش میں ثابت قدم رہنے کیلئے اس کی ڈھارس بندھائی لیکن زوال دنیا کا خوف حمایت توحید کے جذبہ پر غالب آچکا تھا۔ انجام کار اس نے اس معرکہ میں شکست کھائی اور شیخ کو اس شہر سے چلے جانے کا حکم دے دیا گیا۔ گویا ابھی شیخ کیلئے مصائب کا ایک آدھ امتحان باقی تھا جس میں پورا اترنے کا قضاء وقدر کی طرف سے فیصلہ ہو چکا تھا۔

شیخ کا سفر درعیہ

اب شیخ کیلئے عیینہ، حریملا اور احساء میں سے کسی مقام پر بھی امن باقی نہیں رہا تھا اس لئے وہ احساء سے روانہ ہو کر درعیہ آئے اور اپنے ایک دوست عبداللہ بن سویلم کے ہاں مہمان ہوئے۔ وہاں کا امیر اس وقت محمد بن سعود تھا۔ اس نے اور اسکے بھائی ثنیان اور اس کے دیگر احباب واعزہ نے جب شیخ کی آمد کی خبر سنی تو ان کی تحریک دعوت و اصلاح کے متعلق مفصل معلومات حاصل کیں اور بالآخر ان کے عقیدت کیش ہو گئے۔ امیر درعیہ نہایت خوش اخلاقی سے پیش آئے اور دعوت کی پرجوش حمایت کا وعدہ کیا۔ شیخ نے اس لطف وکرم کا شکریہ ادا کیا اور کہا'' تم نے اللہ کے دین کی حمایت پوری مستعدی سے کی اور کلمہ توحید بلند کرنے میں سرگرم رہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پوری امید ہے کہ وہ آپ کو اعلیٰ مقام عطا کرے گا۔ اور دنیا کی ملوکیت سے سرفراز فرمائے گا''

شیخ نے امیر درعیہ کی حمایت حاصل ہونے کے بعد بے فکری سے توحید الٰہی، تعلیمات قرآنی اور صحیح اسلامی تہذیب وتمدن کی تلقین واشاعت شروع کر دی۔ شیخ کی فیض رسانیوں سے بہرہ یاب ہونے کیلئے اور دین کی حقیقت ومعرفت حاصل کرنے کیلئے نہ صرف امیر اور اہل درعیہ بلکہ دور دراز مقامات سے لوگ حاضر ہو کر اس چشمہ صافی سے فیض حاصل کرنے لگے۔ پھر کیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے

درعیہ کی فضا بدنظمی و بے دینی رسم پرستی اور جہالت و بدعات کے غبار سے صاف ہوگئی۔ علم و معرفت اور تہذیب اسلامی کا ایک ایک گوشہ شمع اسلام اور نور توحید سے جگمگا اٹھا۔ علم کے پیاسے اور ہدایت کے طلبگار دوسرے ممالک سے آ کر اپنی پیاس بجھانے لگے۔ طالبان ہدایت کے ہجوم سے مسجدیں معمور ہوگئیں۔ اور قال اللہ وقال الرسول کی سامعہ نواز صدائیں گونجنے لگیں۔ شیخ نے علوم دین پڑھانے کیلئے سلسلہ درس و تدریس کا آغاز کر دیا۔ جہاں لوگوں کا اس قدر ازدھام ہوتا کہ شیخ شب و روز مصروف درس رہتے۔

شیخ کی اس سعی و عمل اور لگاتار محنت کو اللہ تعالیٰ نے بڑی کامیابی عطا کی۔ نجد کی کایا پلٹ گئی اور اہل نجد کے قلوب شرک و بدعت اور جاہلانہ رسوم و بدعات کی آلائشوں سے بہت جلد پاک اور صاف ہو گئے۔

تحریک کے خارجی اثرات:

تیرہویں صدی کے عظیم مصلحین جن میں:

الامام القاضی محمدؒ بن علی شوکانی ۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ زیادہ قابل ذکر ہیں کی اصلاحی تحریکات سامنے آئیں تو مخالفین نے ان کے ڈانڈے بھی شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک سے ملانے کی کوششیں کیں۔ اگر ایسا ہوتا بھی تو کوئی دینی جرم نہ تھا مگر حقیقت میں اس مفروضے کی کوئی اصل و اساس نہیں ہے۔ بلکہ صرف انگریز مصنفین کی ذہنی اپج اور تصنیفی و تحقیقی حماقت ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ ان تمام تحریکات کی بنیاد صرف دو مقدس چیزیں ہیں:

۱۔ کتاب اللہ عزوجل

۲۔ سنت رسول ﷺ

خصوصا ہندوستانی اور نجدی تحریکات میں تو خاص مشترک قدریں پائی جاتی ہیں۔ ہندوستانی تحریک اصلاح کے اصل بانی شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں اور امام محمد بن عبدالوہاب کے ہمعصر ہیں۔ دونوں نے دو چار سال آگے پیچھے مسجد نبوی میں تعلیم حاصل کی۔ دونوں وقت کے ناگفتہ بہ حالات سے متاثر ہوئے اور اصلاح کیلئے ملتی جلتی راہیں اختیار کیں یعنی دونوں نے دین مبین کو بدعتوں اور توہمات کی آلائشوں سے پاک کرنے کی کوشش کی۔ کتاب و سنت کے چشمہ مصفی کی طرف دعوت دینے میں بھی دونوں بزرگ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل کی تحریک بھی شاہ ولی اللہ کی تحریک کی ترقی یافتہ صورت تھی۔ جیسے نجد میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک انگریز کیلئے زبردست سیاسی خطرہ تھی۔ اسی طرح ہندوستان میں تحریک اہلحدیث بھی اس کی سیاسی قوت کیلئے زبردست پریشانی کا باعث تھی چنانچہ اس نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کی کوشش کی۔ محمد بن عبدالوہاب اور اس کے ساتھیوں کو وہ اسلام سے الگ ایک فرقہ ''وہابی'' قرار دیتا ہے۔ جس کا نبی خود محمد بن عبدالوہاب ہے اور سید احمد بریلوی اس کے معتقد اور مرید ہیں۔ لہٰذا یہ بھی اسلام سے علیحدہ ایک فرقہ ہے۔

حضرت سید احمد شہیدؒ کا سفر حج ان کی زندگی کا ایک معمولی اور دینی واقعہ ہے مگر انگریز مورخین نے اسے ایک انقلابی واقعہ قرار دے کر دعویٰ کیا ہے کہ اسی سفر حج میں سید احمد شہیدؒ ارض حجاز سے محمد بن عبدالوہاب سے متاثر ہو کر ان کے عقائد ہندوستان لائے ہیں جو واقعات کے سراسر خلاف ہیں۔

''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' کا مصنف ہنٹر لکھتا ہے۔ سید احمد شہید کے قیام مکہ کے دوران وہاں کے حکام کے توجہ ان کی تعلیمات کی ان بدوقبائلیوں کے خیالات سے مماثلت کی طرف منعطف ہوئی جن کے ہاتھوں مکہ کے مقدس شہر نے اتنے مصائب اٹھائے تھے کہ اعلانیہ طور پر اس کی تحقیر کی گئی اور وہ شہر بدر کر دیئے گئے۔ اس جورو تعدی کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ ہندوستان آئے تو ایک مذہبی خواب میں وہ مشرکانہ بداعمالیوں کے مصلح کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے معتقد اور مرید کی حیثیت سے۔

واقعات اس کے خلاف ہیں اور حقائق اس خیال کی تائید نہیں کرتے۔ چونکہ سید احمد بریلویؒ کی ابتدائی زندگی اس زمانہ میں گزری جبکہ شیخ محمدؒ کی تحریک صرف نجد تک محدود تھی اور یہ لوگ ابھی اعلیٰ سطح پر نمودار نہیں ہوئے تھے۔

(۲) سید احمد ۱۸۲۱ھ میں سفر حج کیلئے گئے تھے اور ۱۸۲۳ میں واپس آ گئے حالانکہ شیخ محمد بن عبدالوہاب ۱۷۹۲ میں وفات پا چکے تھے چنانچہ سید احمد کی شیخ سے ملاقات یا ان سے متاثر ہونے کا سوال ہی خارج از بحث ہے۔

انگریز مورخین کے مطابق سید احمد شہیدؒ کو سفر حج میں علمائے عرب نے نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا اور مولانا عبدالغنی مرحوم نے وہاں کے علماء کی درخواست پر صراط مستقیم کا عربی میں ترجمہ کیا اور کئی نسخے شائع کر کے تقسیم کئے۔

یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ سید احمدؒ کے سفر حج کے وقت بلاد مقدسہ ترکوں کے قبضہ میں تھے۔ شاہ سعود کے بیٹے عبداللہ نے ۱۸۱۸ میں ابراہیم پاشا سے شکست کھائی تھی اور اسے گرفتار کر کے قسطنطنیہ بھیج دیا گیا تھا جہاں بعد میں سخت سزائیں دے کر قتل کر دیا گیا۔ نجدی دارالحکومت لوٹ لیا گیا تھا اور آگ لگا دی تھی اسی طرح تحریک کا پہلا دور ختم ہو چکا تھا اور تمام نجدی شبہ کی نظر سے دیکھے جانے لگے اور ان کی موجودگی ناقابل برداشت خیال کی جاتی تھی۔ اس لئے سید احمد کے ان سے ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں سید احمد شہید اپنے سفر حج سے قبل مروجہ سماجی و دینی صورت حال کا مقابلہ کرنے کا

(باقی صفحہ 37 پر)